خداشناسی

<"xml encoding="UTF-8?>

اهمیت شناخت خدا کے عملی، شخصی اور اجتماعی اثرات سے قطع نظر، شناخت خدااورشناخت اسماء وصفات الٰهی سعادت بشر میں نهایت موثر اور بے انتها اهمیت کی حامل هے۔ کیونکه کمال انسان ،خدا کی صحیح شناخت میں مضمر هے۔ اگر انسان خدا کی شناخت اس طرح حاصل نه کرے جس طرح حاصل کرنے کا حق هے توو ه لاکه نیک و خیرا عمال نجام دے لے، هرگز کمال انسانی کے اعلیٰ مراتب تک رسائی حاصل نهیں کرسکتا۔
خدا کی صحیح شناخت هی کمال انسانی کا اعلیٰ ترین مرتبه هے ۔ درحقیقت صرف اور صرف اسی کے ذریعه بشر خدا کی طرف پرواز کرسکتا هے:(الیه یصعد الکلم والطیب والعمل الصالح یرفعه) پاکیزه کلمات اس کی طرف بلند هوتے هیں اور عمل صالح انهیں بلند کرتا هے۔ (۱)
اس سلسلے میں شهید مرتضی مطهری فرماتے هیں:
انسان کی انسانیت، شناخت خدا کے ارد گرد گھومتی هے کیونکه شناخت انسان، انسان سے جدا کوئی شئ نهیں هے بلکه اس کی ذات کا اصلی ترین وحقیقی ترین جز هے۔ انسان جس قدر هستی، نظام هستی ومبدأ واصل هستی سے قریب تر هوتا جائے گا اتنی هی اس کے اندر انسانیت راسخ هوتی جائے گی وهی انسانیت جس کے جوهراور حقیقت کا نصف حصه علم، معرفت اور شناخت هے۔
اسلام اورمخصوصاً مذهب شیعه کے نقطۂ نظر سے ، ان معارف و تعلیمات پر مرتب هونے والے عملی اور اجتماعی اثرات سے قطع نظر اسمیں ذره برابر شک و تردد کی گنجائش نهیں هے که معارف الٰهی کا ادراک هی اصل هدف و کمال انسانیت هے۔(۲)

حواله جات

۱۔فاطر:۱۰
۲۔مجموعۂ آثار، ج /۲ ، ص / ۱۰۵

خدا کون هے

وه کونسی ذات هے جس کو عربی زبان میں الله، انگلش میں GOD ، فارسی میں خدا کها جاتا هے اور هر دیگر زبان والے اپنے اپنے اعتبار سے پکارتے هیں؟ اس کے اوصاف کیا هیں؟ اس کا هم سے کیسا اور کیا رابطه هے؟هم اس کے ساتھ کیسا رابطه برقرار کریں؟یه اور اس طرح کے دوسرے سوالات همیشه اور هر زمانے میں پائے جاتے رهے هیں۔
اگر بشری افکار ونظریاتی تاریخ پر ایک اجمالی اور سرسری نظر ڈالی جائے توواضح هوجاتاهے که خدا کے وجود پر

اصل اعتقاد وایمان گذشتہ قدیم زمانوں سے ھی رائج اور مشهور رها هے۔ دوسرے الفاظ میں خدا پر ایمان کی تاریخ اتنی ھی قدیم ھے جتنی کہ تاریخ وجود انسانی ،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ھے کہ تمام افراد بشر، وجود خدا کے معتقد رھے ھیں اور خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ یکساں رھا ھے یا سبھی نے خدا کی تعریف یکساں طور پر کی ھے۔

یہ نظریاتی اختلافات مخصوصاً ان لوگوں کے یہاں جو انبیائے الٰهی کے تعلیمات سے استفادہ کرنے کے بجائے اپنے افکار و نظریات پر زیادہ بھروسہ کرتے ھیں، همیشہ اور بهت زیادہ رھے ھیں۔ قبل اس کے کہ اسلامی نقطہٴ نظر سے بیان شدہ صفات خدا کو بیان کیا جائے بهتر ھے کہ بعض اھم ترین اوربزرگ ترین مشرقی و مغربی دانشمندوں کے خدا کے بارے میں نظریات وخیالات اور اعتقادات پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ اس سلسلے میاسلامی توحید کے عروج وبلندی کا دیگر مکاتب وافراد کے توحیدی نظریات سے تقابل کیا جاسکے۔

خدا، سقراط کی نظر میں

(SOCRATES 470-399BC) دیگر یونانی معاصر کی طرح مختلف خداؤں کے وجود پر ایمان رکھتا تھا۔ تاریخ فلسفہ میں نقل شدہ حقائق کے پیش نظر، سقراط کے مطابق سعادت و کمال حاصل کرنے کے لئے انسان کو خدا اور اس کی هدایت کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔ اگرچہ وہ کمال انسانی کو اصول اخلاقی میں مقید گردانتا ھے لیکن اس نے خدا اور انسانی زندگی میں اس کے رابطے اور دخل کا کوئی تذکرہ نہیں کیاھے۔

خدا، افلاطون کی نگاہ میں

PLATO (BC 427/8_347/) خدا کے عنوان سے دوموجودات کا تذکرہ کرتاھے۔ ایک خیر مطلق اور دوسری صانع۔ اس کی نگاہ میں خیر مطلق ھی حقیقی خدا ھے جس کو وہ پدر یا باپ اور صانع کو پسر یا بیٹا کهتا ھے۔

افلاطون کے مطابق خیر مطلق کی شناخت نهایت مشکل بلکہ دشوار ترین معرفت ھے جو تمام معرفتوں کے حصول کے بعد حاصل ہوتی ھے اور ان دونوں خداؤں کو فقط فلسفی حضرات ھی درک کرسکتے ھیں۔ افلاطون کے مطابق فلسفی حضرات وہ افراد ھیں جو روحی اور ذهنی حتی جسمانی لحاظ سے مخصوص صفات کے حامل ھوتے ھیں البتہ یہ فلسفی حضرات بھی مختلف مراحل سے گزر کر اور اپنی عمر کے پچاس برس گزارنے کے بعد ھی خیر مطلق کا ادراک کرسکتے ھیں لیکن دوسرے افراد جن میں غالباً عوام الناس آتے ھیں همیشہ همیشہ شناخت وادراک خدا سے محروم رھتے ھیں۔

خدا، ارسطو کے نقطہٴ نظر سے

ARISTOTLE (4 BC / 483_321/2) کے عقیدے کے اعتبار سے عالم همیشہ موجود رها ھے یعنی ازلی ھے اور کسی نے اس کو خلق نہیں کیاھے۔ لهٰذا ارسطو کا خدا، خالق کائنات نهیںبلکھ فقط محرک کائنات ھے او رایسا محرک جو خود کوئی حرکت نہیں رکھتا ھے۔ خدائے ارسطو کی روشن ترین صفت یهی عنوان”محرک غیر متحرک“

ھے ۔ ارسطوکی خدا شناسی کا اھم ترین گوشھ یھ ھے کھ ارسطو کے مطابق خدا کی پرستش، اس سے محبت اور اس سے رحم و کرم کی توقع ناممکن ھے۔ خدائے ارسطو کسی بھی طرح محبت انسان کا جواب نہیں دے سکتا۔ ارسطو کا خدا فاقد ارادہ ھے نیزاس کی ذات سے کسی بھی طرح کا کوئی فعل سرزد نہیں ھوتا ھے۔ ارسطو کا خدا ایک ایسا خدا ھے جو ھمیشہ فقط اور فقط اپنے متعلق غور و فکر کرتا رھتا ھے۔ (۱)

وجود خدا ، قرون وسطیٰ کے عیسائیوں کے نزدیک ”

مغربی دنیا میدین سے فرار کے اسباب “کے تحت خدا کے بارے میں کلیسا کے نظریات کی طرف ایک ھلکا سا اشارہ کیا جا چکا ھے۔ یھاں اس نکتے کا اضافہ ضروری ھے کہ قرون وسطیٰ میںغالب نظریہ یہ تھا کہ دوسرے عوامل واسباب کے شانہ بشانہ خدا بھی اس جہان کے نظم و نسق میں موثر ھے۔ اس زمانے کے خدا معتقد افراد جب زلزلہ ، چاندگرھن، سورج گرھن، آندھی، طوفان وغیرہ کی کوئی علت تلاش نھیں کرپاتے تھے تو آخرکار ان حادثات کی علت خدا کو قرار دے دیتے تھے۔ظاھر ھے کہ اس طرز تفکر کا نتیجھ یھی ھوتا ھے کہ خداکو اپنے ارد گرد بکھرے ھوئے مجھولات میں تلاش کیا جائے۔ طبیعی ھے کہ جتنا ھماری معلومات میں اضافہ ھوتا جائے گا اور ھمارے مجھولات کم ھوتے جائیں گے اتنا ھی خدا کا دائرہ کار بھی سمٹتا جائے گا اور اگر فرض کرلیں کہ کسی دن تمام مسائل و معمہ ھائے بشر حل ھوجائیں اور انسان ھر حادثہ و واقعہ کی طبیعی علت و عامل کی شناخت کرلے تو اسی دن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس دنیا سے لفظ ”خدا“ کا بھی خاتمہ ھو جائے گا۔
مذکورہ کلیسائی نظریے کی بنا پر اس کائنات کے فقط کچھ ھی موجودات ایسے ھیں جنھیں وجود خدا کی نشانیاں کھا جاسکتا ھے یعنی فقط ایسے موجودات جن کی علت ابھی تک ناشناختہ ھے۔ یہ نظریہ چونکہ ھماری اس دنیا میں موجود تھا لھٰذا کانٹ KANT)) کو اعتراض کرنا پڑا:
”علم و سائنس نے خدا کو اس کے مشاغل سے جدا کرکے ایک گوشے میں قرار دے دیا ھے۔“ (نقل از شھید مطھری، مجموعہٴ آثار،ج/۱،ص/۴۸۲)
KANT کھنا یہ چاھتا ھے کہ اب تک بشریت یہ سمجھتی تھی کہ ھر حادثے کی علت خدا ھے یعنی خدا کو ایک پوشیدہ ومخفی قوت کے طور پر فرض کیا جاتاتھا جیسے ایک جادو گر اچانک کوئی فیصلہ کرے اور بغیر کسی مقدمے کے کوئی جادو کا نمونہ پیش کردے۔ مثال کے طور پر اگر اس زمانے میں کسی کو بخار ھوجاتاتھا اور اس سے سوال کیا جاتا تھا کہ بخار کیوں ھواھے تو جواب دیا جاتا تھا کہ خدانے ا سکے اندر بخار ایجاد کردیا ھے جس کا مطلب یہ ھوتا تھا کہ اس بخار کے ایجاد ھونے میں کوئی طبیعی عامل سبب نھیں بنا ھے لیکن اب جب کہ سائنس نے یہ ثابت کردیا ھے کہ بخار کا سبب فلاں مائیکروب ھے تو ظاھر ھے کہ اب اس معلول یا بخار کی علت خدا تو نھیں ھے اور اسی طرح جس قدرمختلف اشیاء یا حادثات کی نا شناختھ علتیں اور عوامل کشف ھوتے رھیں گے اتنا ھی خدا کا دائرہ کاربھی محدود ھوتا جائے گا۔
حقیقت یہ ھے کہ اس طرح کا نظریہ رکھنے والے افراد کے نزدیک دوسرے تمام موثر اسباب و عوامل کی طرح بھی خدا ایک سبب و علت اور اس کائنات کے اجزاء میں سے ایک جز ھے۔
شھید مرتضیٰ مطھری اس نظریہ پر تنقید کرتے ھوئے فرماتے ھیں:
”سبحان اللہ ! کتنا غلط طرز تفکر اور کتنی گمراھی ھے اور مقام الوھیت سے لا علمی کا کیا عالم ھے ۔! یھاں تو قرآن کریم کا یہ قول نقل کرنا چاھئے کہ وما قدرو اﷲ حق قدرہ (۲) ترجمہ:اور ان لوگوں نے واقعی خدا کی قدر

نھیں کی۔(۳)

خدا ،گلیلیو کے تصور

میں قرون وسطیٰ کے خاتمہ اور علوم تجربی کی چوطرفہ ترقی و پیش رفت کے بعد گلیلیو (GALILIO 1564-1624) جیسا دانشمند پیدا ھوا اوراس نے خدا کے بارے میں ایک نیا نظریہ پیش کیا۔
GALILIO کے مطابق یہ کائنات ایٹم(ATOMS)کا ایک مجموعہ ھے۔ اس کائنات میں رونما ھونے والی تمام تبدیلیاں اور تغییرات ان ATOMS کی ترکیبات اورحرکات کا نتیجہ ھوتی ھیں۔ اس درمیان خدا کادائرہ کار صرف اور صرف ATOMS کوخلق کرنا ھوتا ھے اور بس۔ قدرت خدا کے ذریعے جیسے ھی یہ کائنات خلق ھوئی ویسے ھی خدا کی ضرورت بھی ختم ھو گئی اوراب کائنات مستقل وآزادانہ طور پر رواں-دواں ھے۔

خدا کے بارے میں نیوٹن کا نظریہ

نیوٹن (1727 ISAAQ NEOTON ۔1642) نے کائنات سے خدا کے رابطے کو گھڑی ساز اور گھڑی کے رابطے سے تشبیہ دی ھے۔ جس طرح گھڑی ساز کے گھڑی ایجاد کرنے کے بعد گھڑی اس سے بے نیاز ھو کر اپنا کام کرتی رھتی ھے اسی طرح یہ کائنات بھی خدا کے ذریعہ خلق کئے جانے کے بعد آزادانہ طور پررواں دواں ھے۔ نیوٹن اس نکتے کا بھی اضافہ کرتاھے اور یھیں سے اس کانظریہ GALILIO سے مختلف ھوجاتاھے کہ خداکبھی کبھی امور کائنات میں دخیل ھوتا اور بعض غیر مرتب اشیاء و سیاروں کو منظم ومرتب کرتا رھتاھے۔ اس کے علاوہ خدا ھی وہ ذات ھے جو ستاروں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے میں مانع ھوتی ھے۔
اس نظریہ پر بھی قرون وسطیٰ میں موجود نظریے کا کسی حد تک اثر پڑتا نظر آتا ھے کہ خدا کے وجود کو ان موارد سے مخصوص کیا جاتا تھا جن کی علت و سبب ناشناختہ ھوتی تھی۔ بعدمیں سائنس نے یہ کشف کیا کہ سیاروںکی حرکت فعلی اور ان کے کے ایک دوسرے سے نہ ٹکرانے میں براہ راست خدا کی کوئی دخالت نھیں ھے۔ جس کانتیجہ یہ ھوا کہ خدا کا دائرہ کار مزید محدود ھوگیا۔
۱۷/ویں اور ۱۸/ویں صدی کے بھت سے دانشمندوں نے خدا کے بارے میں GALILIO کے نظریے کو ھی قبول کیاھے۔ ان کے نذدیک خدانے آغاز خلقت میں اس کائنات کو خلق کیا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اب اپنی بقا کی خاطر اس کائنات کو خدا کی کوئی ضرورت نھیں ھے جیسے ایک عمارت اپنی تعمیر کے بعد معمار سے بے نیاز ھوجاتی ھے۔

حوالہ جات:

۱۔فلسفہ یونان اور ادیان الٰھی میں خداشناسی کی بنیادیں، رضابر نجکار، ص/۸۱تا ۱۰۳
۲۔ انعام:۹۱

خدا اسلام کی نظر میں

قرآن کریم میں مذکورہ صفات خدا پر ایک اجمالی نظر یہ کہا جاسکتا ھے کہ دین اسلام کے ظهور اور نازل ہونے کی حقیقی اور اصل دلیل یہ تھی کہ اسلام، حقیقت خداکو اس طرح پہچنوائے جو اس ذات مقدس کو پهچنوانے کا حق ھے۔ قرآن کریم میں جس طرح خدا کی ذات کی شناخت کرائی گئی ھے ایسی شناخت کسی بهی مکتب یا مذهب میں موجود نهیں ھے۔ حتی اسلام سے ماقبل ادیان الٰهی بهی خدا کی ذات کی شناخت کرانے میں اس کمال تک نهیں پهونچ سکے هیں۔ قرآن کریم کی کوشش یہ رهی ھے کہ زبان بشری کے دائرے میں ذات خدا کو کامل ترین حد تک بشر کو پہچنوایا جاسکے۔

قرآن مجید کے مطابق خدا واسع (وسعت دینے والا) ، علیم(۱) (دانا) ، اسرع الحاسبین (۲) (نهایت جلدی حساب لینے والا) ، حی (زنده) ، قیوم(۳) (دائم) ،علی(اعلیٰ) ،کبیر(بزرگ)، حق(۴)، ذوالجلال والاکرام(۵) ، صمد(٦)(بے نیاز) ھے؛ خدا ،اول یعنی ازلی (هر موجود سے قبل موجود تها) ساتھ هی ساتھ آخری یعنی ابدی (هر موجود کے بعد بهی موجود رهے گا) ظاهر اور ساتھ هی ساتھ باطن ھے۔(٧)

خدا، متعال(۸) ھے یعنی جو کچھ هم تصور کرسکتے هیں اس سے بهی بالاتر ھے اور هم کسی بهی قیمت پر اس کی حقیقت اورا سکے جمال و جلال کی حقیقت سے اس طرح آشنا نهیں هوسکتے جس طرح کہ وه ھے(۹) هماری نگاهیں اس کو پانهیں سکتیں لیکن وه هماری نگاهوں کابرابر ادراک رکهتا ھے۔ (۱۰) خدا واحد ھے اوراس کے علاوه کوئی خدا نهیں ھے (۱۱)۔ وه احد (۱۲) اور واحد ھے (۱۳) اورکوئی شیٴ اس کی مانند نهیں ھے۔ (۱۴) خدا هی کے لئے بهترین نام هیں اور اس کو ان ناموں سے پکارا جاسکتا ھے۔ (۱۵)

وه ملک یعنی جهان هستی کا حقیقی مالک، قدوس یعنی هر عیب سے پاک، سلام یعنی سلامت بخش، مومن یعنی امن و امان عطا کرنے والا، مهیمن یعنی هر شےٴ کی حفاظت کرنے والا، عزیز یعنی ایسا قدرتمند جو هر شیٴ پر قادر ھے اور کوئی شیٴ اس پر غلبہ حاصل نهیں کرسکتی، جبار یعنی اصلاح کرنے والا اور متکبر یعنی شایستہ کبریا ی وبزرگی ھے۔ (١٦)

بهترین مثال، خدا کے لئے ھے۔ (١٧)

جدهر رخ کیا جائے ادهر هی خدا ھے۔ (١٨)

وه هر شےٴ کا عالم(۱۹) اور هرشےٴ پر قادر ھے۔ (۲۰)

خدا عظمتوں کے آخری مراحل پر هونے کے ساتھ هی ساتھ لامتناهی بهی ھے۔

نہ اس کا کوئی شریک ھے اور نہ ساتهی۔

خدا انسان کی رگ گردن سے بهی زیاده انسان سے نزدیک ھے۔

وه وسوسہ هائے نفسانی کو بهی جانتا ھے۔ (۲۱)

خدا بے انتها بخشنے والا اور مهربان ھے اور یہ دونوں صفات اسقدر اس کی ذات میں واضح هیں کہ قرآن کے هر سورے کاآغاز انهیں صفات سے کیا گیاھے: ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“۔ ایسا خدا جس نے لطف و رحمت کواپنے اوپر فرض کرلیا ھے۔ (۲۲)

وه ایسا خداھے جو بے انتها غفور یعنی بخشنے والا، غافر الذنوب یعنی گناهوں کا بخشنے والا، غفار یعنی بے حد

معاف کرنے والا ھے در حالیکہ وہ قوی (۲۳) یعنی طاقت ور، قاھر(۲۴) یعنی مسلط، اور قھار(۲۵) یعنی بے انتھا مسلط ھے۔ قابل التوب (۲٦) یعنی توبہ قبول کرنے والا ، وھاب(۲۷) یعنی بخشنے والا، ودود(۲۸) یعنی دوستدار، رؤوف(۲۹) یعنی مھربان، ذوالطول (۳۰) یعنی صاحب نعمت، ذوالرحمۃ(۳۱) یعنی صاحب رحمت، تواب(۳۲) یعنی بے حد توبہ قبول کرنے والا اور ذوالفضل العظیم(۳۳) یعنی صاحب فضل عظیم ھے۔

وہ ایسا خدا ھے جو دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ھے۔ (۳۴) اس کا دست قدرت و رحمت وسیع ھے۔ جس قدر چاھتا ھے بخشتا ھے اور روزی عطا کرتا ھے۔ (۳۵)

قرآن مجید نے جس خدا کا تذکرہ کیا ھے وہ خالق (۳٦)، فاطر السموات والارض (۳۷)اوراس سے بڑھ کر خالق کل شےٴ (۳۸) یعنی ھرشےٴ کا پیدا کرنے والا ھے۔ لھٰذا اس کائنات میں موجود ھرشےٴ اس کی ذات سے وابستہ اور اسی کی نیازمند ھے۔

خدا آسمانوں میں بھی ھے اور زمین میں بھی اور ھر جگہ الٰہ ھے نہ یہ کہ آسمان میں آسمان اور زمین میں زمین کی صورت اختیار کرلے۔ (۳۹)

ھم جھاں بھی رھیں، خداھمارے ساتھ ھے اور ھم سے جتنے بھی افعال سرزد ھوتے ھیں، خدا انھیں جانتا ھے: (وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر) (۴۰)

خدائے قرآن کریم، رب یعنی پالنے والا، مالک اور تمام امور کا مدبر ھے اور تمام عالمین کا پروردگار ھے۔ (۴۱) اس کا کوئی شریک نھیں ھے۔ نہ خلقت میں اور نہ سلطنت میں(۴۲)، نہ ربوبیت میں(۴۳) اور نہ حکم صادر کرنے میییی(۴۴) نہ شفاعت (۴۵) میں اور نہ کسی دوسرے کمال اور صفت میں۔ خدا کے علاوہ ھر ذات جو بھی کمال رکھتی ھے وہ خدا سے ھی وابستہ اورمنسوب ھے۔ (۴٦)

قرآن حکیم درحقیقت کتاب خدا شناسی اور کتاب معرفۃ اللہ ھے۔ اس سلسلے میں آیات قرآن اس قدر عمیق و دقیق ھیں کہ بزرگ ترین دانشمندان جھان بھی اس کی حقیقت اور ذات کی گھرائیوں تک نھیں پھونچ سکتے۔ قرآن مجید کے ذریعہ خدا کے بارے میں بیان شدہ تعریف جامع ترین، دقیق ترین اور عمیق ترین تعریف ھے۔ اس سلسلے میں عارف باللہ، حکیم دانا اور مفسر عالی مقام حضرت امام خمینی(رہ) فرماتے ھیں:

اگر قرآن نہ ھوتا تو تا ابد باب معرفت اللہ مسدود رہ جاتا اس کا جتنا قرآن میں تذکرہ ھوا ھے اس قدر کسی بھی دوسری کتاب میں تلاش نھیں کیا جا سکتا حتی کتب عرفانی اسلامی میں بھی غیر از ایں، قرآن کی عبارتیں بھی ان عبارتوں سے جدا اور مختلف ھیں جیسی دوسری کتابوں میں بیان ھوئی ھیں۔ قرآن اس سلسلے میں لطیف و نادر نکات کا مجموعہ ھے۔ (۴۷)

حوالہ جات:

۱۔بقر ہ :۱۱۵: ان اللہ واسع علیم

۲۔انعام : ٦۲: الا لہ الحکم و ھو اسرع الحاسبین

۳۔ طہٰ : ۱۱۱:وعنت الوجوہ للحی القیوم

۴۔لقمان :۳۰: ذالک بان اللہ ھوالحق و ان ما ید عون من دونہ الباطل و ان اللہ ھو العلی الکبیر

۵۔رحمٰن :۲۷: و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

٦۔ اخلاص: ۲: اللہ الصمد

۷۔حدید : ۳ : ھو الاول والآخر والظاھر والباطن

۸۔ طہٰ:۱۱۴: فتعالیٰ اللّٰہ الملک الحق

۹۔انعام ۱۰۰: سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون

۱۰۔ انعام : ۱۰۳: لا تدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار

۱۱۔آل عمران :۱۸: شھد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو

۱۲۔ اخلاص: ۱: قل ھو اللّٰہ احد

۱۳ ۔ نحل : ۵۱: انماھو الہ واحد

۱۴۔ شوریٰ: ۱۱: لیس کمثلہ شی

۱۵۔ اعراف :۱۸۰: و للہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا

۱۶۔ حشر : ۲۳: ھو اللّٰہ الذی لا الہ الا ھوالملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر

۱۷۔ نحل : ۶۰: وللہ المثل الاعلیٰ

۱۸۔ بقرہ : ۱۱۵: فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ

۱۹۔ حدید: ۳: و ھو بکل شیّ علیم

۲۰۔ بقرہ : ۲۸۴: واللّٰہ علیٰ کل شئی قدیر

۲۱۔ق: ۱۶: و لقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید

۲۲۔انعام : ۱۲: کتب علیٰ نفسہ الرحمة

۲۳۔ انفال: ۵۲: ان اللّٰہ قوی

۲۴۔ انعام : ۱۸ : و ھو القاھر فوق عبادہ

۲۵۔ رعد : ۱۶: و ھو الواحد القھار

۲۶۔ غافر: ۳: غافر الذنب و قابل التوب

وجود خدابدیھی ھے

قران میں بداھت وجود خدا عام طور پر کتب فلسفہ وکلام میں سے بحث کا آغاز”اثبات وجود خدا“ سے ھوتاھے اور کوشش کی جاتی ھے کہ مختلف استدلالات و براھین کے ذریعہ ثابت کیا جائے کہ ”اس کائنات کا ایک خالق ھے جو خود کسی کی مخلوق نہیں ھے۔

لیکن آسمانی کتابوں مخصوصاً قرآن کریم میں مبحث خداشناسی، ایک دوسرے انداز سے پیش کیا گیا ھے۔ ان کتابوں میں ندرت کے ساتھ ھی ایسی عبارتیں نظر آتی ھیں جو براہ راست اثبات اصل ھستی خدا سے بحث کرتی ھیں۔ گویا اصل وجود خدا، ا یک روشن وواضح حقیقت اور امر مسلم ھے جس میں کسی شک و تردید کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ھے۔

مفسر عالی مرتبت علامہ طباطبائی اپنی معرکة الآراء تفسیر، تفسیرالمیزان میں اس نکتے پر نہایت تاکید کرتے ھیں کہ قرآن کریم نے وجود خدا وند متعال کو واضح وبدیھی شمار کیاھے کہ جس کی تصدیق واثبات کے لئے کسی دلیل یا برھان کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔ اگر دلیل و استدلال کی ضرورت ھے تو فقط اس کی صفات کے

لئے مانند وحدت، خالقیت ،علم و قدرت وغیرہ۔ (۱)
علامۂ مرحوم کے مطابق کلمۂ اسلامی "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہ جو اسلام اور تعلیمات قرآن کریم کا لب لباب ھے، میں اس جملہ کے فقط سلبی حصے کو دلیل کی ضرورت ھے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اللہ ھی نہیں ھے) ورنہ اس کا اثباتی جنبہ (یعنی اللہ موجود ھے) بدیھی اور دلیل و استدلال سے بے نیاز ھے۔ (۲)
قرآن کریم کی منطق اصل وجود خدا کے بارے میں مندرجہ ذیل ھے:
"أفی اللّٰہ شک" (۳) یعنی آیا وجود خدا کے بارے میں کوئی شک یا تردید ھے؟!

دیگر آسمانی کتابوں میں بداھت وجود خدا

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ھے کہ قرآن کریم کے علاوہ دوسری آسمانی کتابوں میں بھی خدا شناسی سے متعلق مذکورہ روش کو انتخاب کیا گیا ھے۔ آربری A.J. ARBERRY اپنی کتاب "اسلام میں عقل ووحی" میں رقمطراز ھے:
یونان میں عصر افلاطون ایسی روایات کا منبع تھا کہ جن کی بنیاد پر وجود خدا کے اثبات کے لئے دلیل و برھان ضروری تھا۔ مغربی دنیا میں ایسا پھلی دفع ھوا تھا کہ بشر اپنے خالق کی جستجوکررھا تھا۔ عھد عتیق میں ایسا کبھی نھیں ھوا تھا کہ کوئی دانشمند ھستی خدا کے بارے میں کسی ایسے پیچیدہ اور گنجلک مسئلہ سے روبروھوا ھو جس میںکسی تردید یاشک کی گنجائش ھوکیونکہ قوم سامی(قوم پسر نوح)کی فطرت خود وحی میں ھی خدا کوتلاش کرلیتی تھی۔
عھد عتیق (باستان) سے متعلق مذکورہ نکات کسی قدر ترمیم کے ساتھ عھد جدید (زمانۂ حضرت عیسیٰ) پر بھی منطبق ھوتے ھیں۔(۴)
زرتشتیوں کی مقدس کتاب "اوستا" کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ اصل وجود خدا کا بدیھی ھونا فقط اقوام سامی یاکتب دینی سے ھی مخصوص نھیں رھا ھے بلکہ "اوستا" میں بھی اصل ھستی خدا کوبدیھی اور دلائل سے بے نیاز بتا یاگیا ھے۔
البتہ ھندؤں کی کتب مقدس "اپنیشید" میں خال ۔خال ایسی عبارتیں نظر سے گذرتی ھیں کہ جن کا آھنگ اور انداز ھستی صانع اورعلت اولیہ کے بارے میں سوالیہ ھے لیکن یہ عبارتیں بھی علت اولیہ، مبدأ خلقت اوراس کی صفات جیسے امورسے متعلق ھیں نہ کہ اصل وجود میں تردید یا شکوک وشبھات کو بیان کرنے والی۔

عصر بعثت اور اللّٰہ پر ایمان و اعتقاد

قرآن مجید کی بھت سی آیتوسے واضح ھوتا ھے کہ قرآن کریم کے زمانۂ نزول میں اصل ھستی خدا اوراس کائنات کے خالق کا وجود اس زمانے کے تمام افراد کے لئے قابل قبول تھا حتی بت پرست اور مشرکین بھی وجود خالق کائنات پر اعتقاد رکھتے تھے:
(ولئن سألتھم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللّٰہ فانی یؤفکون)
اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے خلق کیا اور کس نے تمھارے لئے شمس وقمر کو

مسخر کیا ھے تو وہ کھیں گے کہ اللہ نے ! تو پھر وہ منحرف کیوں ھو رھے ھیں؟(۵)
(ولئن سا‌ٴلتھم من نزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض من بعد موتھا لیقولن اللہ قل الحمد للہ بل اکثر ھم لا یعقلون)
اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا اوراس کے وسیلے سے زمین کو اس کی موت کے بعد کس نے زندہ کیا تو وہ کھیں گے کہ اللہ نے ۔ تو ان سے کھدو کہ ساری تعریفیں اللہ ھی کے لئے ھیں لیکن ان میں سے اکثر نھیں سمجھتے۔(٦)
(ولئن سا‌ٴلتھم من خلق السموات والارض لیقولن خلقھن العزیز الحکیم)
اوراگر تم ان سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ھے تو وہ یقینا یھی کھیں گے کہ خداوند متعال قادر وعلیم نے ھی انھیں پیدا کیا ھے۔(۷)

اقوام نوح، عاد اور ثمود میں خدا پر اعتقاد

قرآن مجید کی آیتوں سے وضاحت ھوتی ھے کہ نہ فقط زمانہٴ رسول اکرم کے افراد بلکہ قوم نوح، عاد، ثمود اور دوسری امتوں میں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اصل وجود خداپر کوئی جھگڑا یا اختلاف نھیں تھا بلکہ اختلافات اگرتھے تو فقط توحید، نبوت اور قیامت سے متعلق ۔ ان زمانوں کے بت پرست اور مشرکین وجودخدا کو بطور خالق قبول کرتے ھوئے اس کی تصدیق کرتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ساتھ ھی ساتھ بتوں کی بھی تجلیات خدا کے طور پر پرستش کرتے تھے۔ وہ لوگ بتوں کی اس لئے پرستش و عبادت کرتے تھے کہ اصنام ان کے اور خدا کے درمیان واسطہ اور وسیلہ قرار پائیں اور ان کی حاجت روائی اور ان کی مشکلات کو دور کریں:
(الم یا‌ٴتکم نبو‌ٴالذین من قبلکم قوم نوح وعادٍ وثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الااللہ فلیتوکل المتوکلون)
کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نھیں پھونچی جو تم سے پھلے تھے؟ قوم نوح، ثمود اور جو ان کے بعد تھے وھی جن سے اللہ کے علاوہ اور کوئی آگاہ نھیں ھے ان کے پیغمبر ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے لیکن انھوں نے (تعجب اور استھزا سے) اپنے منہ پر ھاتھ رکھ کر کھا: ھم اس چیز کے کافر (منکر) ھیں جس کے لئے تم مامور ھو اور جس کی طرف تم ھمیں بلاتے ھو، اس کے بارے میں ھمیں شک ھے۔ ان کے رسولوں نے کھا! کیا اللہ کے بارے میں شک ھے اور وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا، وہ جو تمھیں دعوت دیتاھے کہ تمھارے گناہ بخش دے اور تمھیں وعدہ گاہ تک باقی رکھے گا؟ انھوں نے کھا: (ھم یہ باتیں نھیں سمجھتے ۔ ھم تو اتنی بات جانتے ھیں کہ) تم تو ھمارے ھی جیسے انسان ھو اورتم چاھتے ھو کہ ھمیں اس سے روکو جس کی ھمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے۔ تم ھمارے لئے کوئی واضح دلیل لاؤ۔
ان کے رسولوں نے کھا! (ھاں) یہ ٹھیک ھے کہ ھم بھی تم جیسے بشر ھیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاھتا ھے (اور جس کو اھل پاتا ھے) نعمت (اورمقام رسالت) عطا فرماتا ھے اور ھم حکم خدا کے بغیر ھرگز معجزہ نھیں لاسکتے اور تمام باایمان افراد صرف اللہ پر ھی توکل کرنا چاھتے ھیں۔ ھم اللہ پر کیوں نہ توکل کریں جب کہ اس نے ھمیں(سعادت کی) راھوں کی طرف راھنمائی کی ھے اور ھم تمھاری ایذا رسانیوں پر یقینا صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو صرف اللہ پر ھی توکل کرنا چاھئے۔ (۸)
علامہ طباطبائی اپنی تفسیر میں ان آیتوں کے ذیل میں اس بات پر زور دیتے ھیں کہ اصل وجود خدا میں ان بت پرست قوموں کو کوئی شک وشبہ نھیں تھا بلکہ اعتراض فقط توحید، رسالت اور قیامت کے سلسلے میں تھا۔

حتی جملہٴ ”فاطر السموات والارض“ توحید پر استدلال ھے نہ کہ اصل وجود پر۔
طبرسی نے” مجمع البیان “اور سید قطب نے ”درفی ظلال القرآن“میں اسی نظریہ کو بیان کیا ھے ۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس رائے کواختیار کیا ھے۔ان کا نظریہ بھی یھی ھے کہ بت پرست قوموں کا اختلاف توحید اور خدا کی یکتائی سے تھا نہ کہ اصل وجود خدا سے۔

حوالہ جات

۱۔المیزان فی تفسیر القرآن :جلد۱،ص۳۹۵
۲۔المیزان فی تفسیر القرآن :جلد۱،ص۳۹۵
۳۔ابراھیم:۱۰
۴۔اسلام میں عقل و وحی،آربری:ص۹
۵۔عنکبوت:۶۱
۶۔عنکبوت:۶۳
۷۔زخرف:۹
۸۔ابراھیم۔۹۔۱۲

فطرت اور خدا

قرآن مجید کی مختلف آیتوں سے بخوبی واضح ھو جاتا ھے کہ وجود خدا پرایمان ویقین، اس کی طرف رغبت اور اس کی پرستش وعبادت کی طرف تمایل، فطری ھے یعنی انسانی خلقت و فطرت میداخل ھے۔
اس حقیقت کی بیان گر بعض آیتوں کے تذکرے سے پھلے چند نکات کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری ھے۔

معنائے لغوی فطرت، مادہٴ” فطر “سے ھے جس کے معنی کسی شے کو اس کے طول سے چیرنا ھے۔ دوسرے معنی کسی بھی طرح کے چیرنے کے ھیں اور چونکہ خلقت، ظلمت، تاریکی اور عدم کو چیرنے کے مترادف ھے لھٰذا اس لفظ کے ایک اھم معنی ”خلقت“ بھی ھیں۔ اس لفظ سے ابداع اور اختراع کے معنی بھی مراد لئے جاتے ھیں۔
فطرت ”فِعلَہ“ کے وزن پر ھے اور وزن فعلہ نوع پر دلالت کرتا ھے۔ لغت میں فطرت کے معنی ایک خاص طرح کی خلقت کے ھیں۔ لھٰذا ”فطرت انسان“ بھی ایک مخصوص طینت اور خلقت انسان کے معنی میں ھوگی۔ (۱)
ظاھراً پھلی مرتبہ قرآن مجید نے اس لفظ کو انسان کے متعلق استعمال کیا ھے۔ قرآن سے ما قبل لفظ فطرت کا ایسا کوئی استعمال مشاھدے میں نھیں آیاھے۔

”فطرت“ قرآن میں

قرآن مجید میں ”فطر“ کے مشتقات مختلف طریقے سے استعمال ھوئے ھیں۔ مثلاً ”فطرالسموات والارض“ (۲) ”فطرکم اول مرة“ (۳) فطرنا(۴) فطرنی (۵) فاطر السموات والارض (٦) یھاں قرآن کی مراد پیدا کرنے اور خلق کرنے

سے ھے۔ لفظ "فطور" آیت "فارجع البصر ھل تریٰ من فطور" (٧) میں شگاف اور سوراخ کے معنی میں ھے اور لفظ "منفطر" آیت "السماء منفطر به" (٨)میں شکافتہ کے معنی میں لیکن قرآن کریم میں لفظ فطرت صرف ایک مرتبہ استعمال ھوا ھے اور وہ بھی لفظ اللہ کے ساتھ "فطرة اللّه" ۔انسان کے ساتھ لفظ فطرت اس طرح آیا ھے: "فطرالناس علیھا" (٩)

فطرت الٰھی انسان

کوئی بھی مکتب ھو ، اگر وہ انسانی ھدایت وکمال اور سعادت ابدی کا دعوی کرتا ھے تو لازمی طور پر انسان کی ایک مخصوص تعریف اور حدود اربعہ بھی بیان کرتا ھے۔ اسی بنا پر انسان کے بارے میں جیسی اس مکتب کی شناخت ھوتی ھے ویسا ھی اس کی سعادت کاراستہ اور وسیلہ بھی معین کرتا ھے۔
مکتب الٰھی میں بھی انسان کے بارے میں کافی کچھ کھا گیا ھے ، قرآن میں بھی اور روایات معصومین علیھم السلام میں بھی کہ جن کے تمام جوانب پر تبصرہ کرنے کے لئے نہ جانے کتنی ضخیم کتابوں کی ضرورت پڑے گی۔ انسان کے بارے میںاسلامی نقطہٴ نظر کو بیان کرنے والابھترین لفظ "فطرت" ھے۔ لھٰذا انسان کے بارے میں اسلام کی بیان کردہ تعریف کو "نظریہٴ فطرت" کا عنوان بھی دیا جاسکتا ھے۔

نظریہٴ فطرت،اجمالی طور پر اس نظریے کے مطابق:

(١) ھر انسان اپنی اپنی خلقت اور طینت اولیہ کی بنیاد پر ایک مخصوص حدود اربعہ کا حامل ھوتا ھے اور ساتھ ھی ساتھ کچھ ایسی مخصوص صفات اس کی ذات سے مربوط ھوتی ھیں جواس پر خارج از ذات حمل نھیں ھوتیں بلکہ درحقیقت یہ تمام صفات اس کی ذات کا خاصہ ھوتی ھیں۔
دوسرے الفاظ میں، انسان ایک ایسا کورا کاغذ نھیں ھے کہ اس پر کچھ بھی یکساں طور پر لکہ دیا جائے اور وہ اسے قبول کرلے بلکہ انسان کا باطن اور ضمیر کچھ مخصوص تمایلات اور اوصاف کے خمیر سے خلق ھوا ھے۔

(٢) وجود انسان میں پائے جانے والے تمایلات میں سے بعض اس کے حیوانی جنبہ سے اور بعض انسانی جنبہ سے مربوط ھیں۔ فطرت الٰھی انسان کے فقط ان تمایلات اور رغبتوں سے مربوط ھے جو اس کے انسانی جنبہ سے مخصوص ھیں نہ کہ اس جنبہ سے جوانسان وحیوان میں مشترک ھے مانند غریزہٴ جنسی۔

(٣) یہ تمایلات وغرائز اس کودوسرے حیوانات سے جدا کرکے دیگر تمام حیوانات سے ممتاز درجہ عطا کرتے ھیں۔ اگر کوئی شخص مکمل طور پر ان تمایلات واوصاف سے بے بھرہ ھوجائے تو بظاھر تو وہ انسانی شکل و صورت اختیار کئے ھوئے ھوگا لیکن درحقیقت حیوان ھوگا۔

(۴) یہ تمام تمایلات واوصاف نوع انسان سے مربوط ھیں لھٰذا اس نوع کے تمام افراد میں مشترک اور سب میںپائے جاتے ھیں یعنی ایسا نھیں ھے کہ کسی خاص زمان یا مکان سے مربوط ھوں یا کسی مخصوص

معاشرے، قوم یا نسل سے بلکہ ھر زمانے اور ھرجگہ کے افراد ان اوصاف سے مستفید ھوتے ھیں۔

(۵) یہ تمام اوصاف وتمایلات جنبہٴ قوة واستعداد رکھتے ھیں یعنی انسانی وجود میں پائے تو جاتے ھیں لیکن انھیں بارور ھونے اور ظاھر و بالفعل ھونے کے لئے انسانی کوشش و سعی درکار ھے۔

(٦) اگر انسان فطری امور کو اپنے اندر بارور اور اجاگر کرلے تو تمام مخلوقات حتی فرشتوں سے بھی بالاتر مقام حاصل کرلے گا۔ ساتھ ھی اپنے کمال کے اعلیٰ ترین مراتب کو بھی طے کر لے گا اور اگر یہ صفات پژمردہ ھوگئے تو اپنے اندر فطرت انسانی کے بجائے حیوانی صفات و تمایلات کا ذخیرہ کرلےگا جس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ وہ تمام مخلوقات سے پست ھو جائے گا اور جھنم کے آخری مراتب کو اپنا مقدر بنالے گا۔

(٧) جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ھے ، انسانی فطرت، بعض ادراک وشناخت اور بعض تمایل ورغبت کے مقولوں کامجموعہ ھے۔ منطق میں بدیھیات اولیہ سے جوکچھ مراد لیاجاتا ھے وہ فطری شناخت ھی کا ایک جزء ھے اور حقیقت طلبی، عزت طلبی، حسن پرستی جیسے تمام امور،انسانی تمایلات فطری کے ذیل میں آتے ھیں۔

شناخت خدا اور اس کی طرف رغبت کا فطری ھونا

قرآن مجید کی آیتوں کی رو سے شناخت خدا بھی فطری ھے اور اس کی طرف رغبت و جستجو بھی۔ بحث ”وجود خدابدیھی ھے“ کے ذیل میں کھا جا چکا ھے کہ خدا کے وجود کا باور اور اعتراف، عام اورسبھی کے لئے قابل قبول رھا ھے یعنی وجود خدا کوئی ایسا مجھول مسئلہ نھیں ھے جو اثبات کامحتاج ھو۔ اس بحث کے ذریعے شناخت خدا کا فطری ھونا ثابت ھو چکا ھے۔
اس سلسلے میں جو آیتیں دلالت کرتی ھیں ان میں سے ایک سورہٴ روم کی تیسویں آیت ھے جس کو آیہٴ فطرت کھا جاتا ھے:
(فاقم وجھک للدین حنیفاً فطرة اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون)
اپنا رخ پروردگار کے خالص دین کی طرف کرلو کیونکہ یہ فطرت ھے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ھے۔ اس کی تخلیق میں کوئی تغیرو تبدل نھیں ھوتا اور یھی محکم واستوار دین ھے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نھیں جانتے۔(۱۰)
مذکورہ آیت مکمل وضاحت وصراحت کے ساتھ دین کو فطری امر کے طور پر پیش کرتی ھے۔ اس آیت میںدین سے کیا مراد ھے، اس سلسلے میں مفسرین دو رائے پیش کرتے ھیں:
(الف) دین سے مراد معارف و احکام مخصوصاً اسلام کے حقیقی اور بنیادی معارف واحکام کامجموعہ ھے۔ اس رائے کے مطابق، دین کے اندر موجود تمام کلیات کہ جن میں سے اھم ترین شناخت اور عبادت خدا ھے، فطرت انسان میں راسخ کردئے گئے ھیں ۔ مرحوم علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر،” تفسیر المیزان“ میں اسی نظریے کو منتخب کیاھے۔
(ب) دین سے مراد وہ دین ھے جو فطرت کے مطابق ھواور اس کے معنی خدا کے سامنے تسلیم محض اور

سربسجود ہوجانا ہے کیونکہ دین کا لب لباب خضوع و خشوع ، فرمانبرداری و اطاعت کے ماسوا کچھ نہیں ہے:

(ان الدین عند اللّٰہ الاسلام)

خدا کے نزدیک دین فقط اسلام ہے۔(۱۱)

اس رائے کے مطابق، دین کے فطری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی خلقت میں ایسے تمایلات واوصاف شامل کردئے گئے ہیں جو اسے خدا کی عبادت کی طرف اکساتے رہتے ہیں۔ واضح ہے کہ اگر خداپرستی فطری ہو تو خدا شناسی بھی فطری ہوجائے گی کیونکہ فطرتہ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اس کی پرستش کرے جس کو وہ جانتا بھی نہ ہو۔

حوالہ جات:

۱۔ ابن منظور لسان العرب میں لکھتا ہے : ”اصل الفطر، الشق، منہ قولہ تعالیٰ: اذا السماء انفطرت ای انشقت وفطراللہ الخلق یفطرھم : خلقھم وبدأھم ۔ والفطرت: الابتداء والاختراع والفطرت بالکسرہ: الخلقت والفطرت : ما فطراللہ علیہ الخلق من المعرفۃ بہ وقال ابو الھیثم : الفطرت : الخلقت التی یخلق علیہ المولود فی بطن امہ ۔ وقولہ تعالیٰ : الذی فطرنی فانہ سیھدین: ای خلقنی قول النبی : کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی الخلقت التی فطر علیھا فی الرحم من سعادۃ اوشقاوۃ (علامہ ابی الفضل جمال الدنی محمد بن مکرم ابن منظور افریقائی ،مصری ، لسان العرب، نشر ادب حوزہ ،قم ، ج/۵،ص/۵٦،۵۵۔

۲۔ انعام:۷۹

۳۔ اسراء: ۵۱

۴۔طٰہ:۵۲

۵۔ ھود: ۵۱، یس: ۲۲، زخرف:۲۷

۶۔ انعام: ۱۴، یوسف:۱۰۱، فاطر:۱، زمر: ۴۶، شوریٰ:۱۱

۷۔ ملک:۳

۸۔ مزمل: ۱۸

۹۔روم: ۳۰

۱۰۔ روم: ۳۰

۱۱۔ آل عمران: ۱۹

برہان نظم

قبلاًیہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خداوند عالم کا وجود واضح اور بدیہی ہے اور ہر انسان کی فطرت میں اس کے وجود پر اعتقاد کوودیعت کیا گیا ہے یعنی ہر انسان فطری طور پر دل کی گہرائیوں سے خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خداوند عالم کے وجود پر کوئی دلیل یا برہان موجود نہ ہوبلکہ وجود خداوندعالم پر بے شمار دلائل خدا کے معتقدین کی جانب سے پیش کئے جاتے رہے ہیں۔انہیں براہین میں ایک بہت ہی سادہ اور واضح برہان ، برہان نظم ہے ، یہ برہان دو مقدموں پر مشتمل ہے:

الف) تجربات اور شواہد کی روسے یہ بات ثابت ہے کہ اس کائنات میں منظم مجموعے پائے جاتے ہیں یعنی ایک نظم اور انسجام پوری کائنات میں موجود ہے۔

ب) ہر وہ مجموعہ جو منظم ہو اس کے لئے ایک ناظم ضروری ھے (بغیر ناظم کے کوئی بھی شۓ منظم نہیں ہوسکتی) ۔
نتیجہ: سابقہ دونوں مقدموں کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ھے کہ وہ منظم مجموعے جو اس کائنات میں پائے جاتے ھیں ان کا ایک ناظم ھے۔
اس برہان کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا بہت آسان ھے حتی کہ بہت سے ایسے افراد جو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے اس برہان کے معنی سے آشنا ھیں اور اس جہان کے نظم اور انسجام کودیکہ کر اس نظم کو وجود بخشنے والے خدا کی جانب متوجہ ہوجاتے ھیں لیکن اس برہان کی فنی اعتبار سے تبیین و توضیح کے لئے ضروری ھے کہ پھلے نظم کی تعریف کی جائے اور پھر دونوں مقدمات کی وضاحت کی جائے۔

تعریف نظم

کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف اجزاء کا ایک مجموعے میں جمع ہو جانا، اس طریقے سے کہ ان کی باھمی ھماھنگی اور ارتباط کے ذریعے ایک معین غرض حاصل ہو جائے ،نظم کھلاتا ھے۔
مثلا: گھڑی ایک منظم چیز ھے اس لئے کہ اس میں مختلف اجزاء جو کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متفاوت ھیں ،ایک جگہ جمع ہوتے ھیں۔
مقدمہٴ اول: یہ ایک حقیقت ھے کہ اس کائنات میں منظم مجموعے موجود ہیں یہاں تک کہ منکرین خدا بھی اس بات کو قبول کرتے ھیں کہ کائنات منظم ھے اوردرحقیقت علوم تجربی اسی نظم اور ھماھنگی تک پہنچنے کا نام ھے علوم تجربی اور سائنس کی ترقی کے ذریعہ روز بروز کائنات کے نظم کے عجیب و غریب مناظر سامنے آتے ھیں۔ آج اگر کسی بھی دانشمند(چاھے وہ موحد ہو یا ملحد) سے اس کائنات کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یھی کھے گا کہ اس کائنات میں ایک تعجب آور اور حیران کن نظام کی حکمرانی ھے، خواہ وہ ھمارے وجود کے مختصر ترین ذرات ہوں یا بدن کے دوسرے مختلف اجزاء (قلب، مغز، رگوں کے سلسلے و) اور ان کی باھمی ھماھنگی اوردوسرے سے ارتباط اورخواہ آسمان کے بڑے بڑے مجموعے، کھکشاںٴیں اورمنظومہ شمسی وغیرہ اور جھاں تک علم انسانی کی دسترس ھے ، تمام کے تمام مجموعے ایک دقیق نظام کی پیروی کرتے ھیں۔
مقدمہٴ دوم: برہان نظم کا یہ دوسرا مقدمہ بھی واضح اور بدیھی امر ھے اور تمام افراد اس کو قبول کرتے ھیں نیز ہر روز اس سے استفادہ کرتے ھیں۔
ہم جب کسی خوبصورت عمارت کودیکھتے ھیں تو کھتے ھیں کہ یقینا اس کانقشہ کسی ماہر انجینئر نے بنایا ھے اور کسی ماہر مستری کے ھاتھوں نے دیواروں کو بلندکیا ھے۔
جب بھی نہج البلاغہ یا صحیفہٴ سجادیہ کوپڑھتے ھیں تو اس حقیقت کا اعتراف کرتے ھیں کہ ان کلمات کو وجود بخشنے والااعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت ، حکمت ومعرفت اور علم ودانش کا حامل تھا۔
جب کسی گھڑی کودیکھتے ھیں کہ سھی وقت بتا رھی ھے تو ھمیں یہ یقین ہو جاتا ھے کہ اس گھڑی کو بنانے والا اس کے بارے میں خاص معلومات رکھتا تھا۔
کیا اس طرح اور اسی طرح کے بے شمار موارد میں یہ احتمال دیا جاسکتا ھے کہ یہ چیزیں اتفاقاً یا کسی حادثے کے نتیجہ میںوجود میں آئی ہوں گی یا کوئی ایسا شخص ان کو عالم وجود میں لایا ہوگا جو ان کے بارے میں کوئی اطلاع یا علم نہ رکھتا ہو۔

اگر ہم ایک صفحہ کوٹائپ رائٹر میں لگا ہوا دیکھیں جس پر دقیق علمی مطالب بغیر کسی غلطی کے ٹائپ ہوئے ہوں تو آیا ہم یہ احتمال دے سکتے ہیں کہ ایک نادان بچے نے اتفاقاً اور حادثاتی طور پر ٹائپ رائٹر کے بٹنوں کو دبادیا ہوگا جس کی بنا پر اتفاقاً یہ دقیق علمی تحریر کاغذ پر ٹائپ ہوگئی۔
پس یہ بات ثابت ہے کہ ہر نظم کسی ناظم کے ذریعہ ہی وجود میںآسکتا ہے۔

چند نکات

۱) نظم کو دیکہ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ناظم کتنا حکیم اور قادر ہے (یعنی ناظم کی قدرت اور حکمت نظم کے تناسب سے ہوتی ہے)۔ لہٰذا مورد نظر نظم جتنا دقیق اور پیچیدہ ہوگا، ناظم کی حکمت وقدرت کو اتنا ہی زیادہ ثابت کرے گا۔

۲) برہان نظم میں یہ روری نہیں ہے کہ تمام کائنات میں نظم ثابت کیا جائے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ کائنات میں دقیق اور پیچیدہ نظام موجود ہے۔
دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم جس موجودہ نظم کو جانتے ہیں اس کے ذریعہ ایک حکیم ناظم کا وجود اس کائنات میں ثابت ہو جاتا ہے چاہے کائنات کا وہ حصہ جوابھی ہمارے لئے مجہول ہے اس کے نظم کا ہمیں علم نہ ہو۔

۳) برہان نظم ان افراد کے نظریے کو رد کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ کائنات اسی فاقد عقل و شعور طبیعت کی پیداوار ہے اور چھوٹے چھوٹے ذرات کی کور کورانہ حرکت اور ان کے ایک دوسرے پر تاثیر اور تاثرات کے ذریعہ وجود میں آئی ہے۔

۴) جتنی سائنس ترقی کرتی جا رہی ہے اتنا ہی کائنات میں نظم کا وجود ثابت ہوتا جا رہا ہے اور برہان نظم کی قوت میںاضافہ ہوتا جا رہا ہے اس لئے کہ اس کائنات کے اسرار سے ہر اٹھایا جانے والا پردہ خدا کے وجود کے اثبات کے لئے ایک آیت اور علامت دانشمندوں کے سامنے پیش کردیتا ہے۔جیسا کہ مشہور ماہر فلکیات ہرشل کا قول ہے:
جتنا زیادہ علم کا دائرہ بڑھتا جائے گا خدائے ازلی اوراس کے وجود کے اثبات پر دنداں شکن اورقوی ترا ستدلالات بھی مہیا ہوتے جائیں گے۔

۵) حالانکہ قرآن کریم نے اثبات وجود خدا پر صریحاً کوئی دلیل قائم نہیں کی ہے(کیونکہ قرآن وجود خدا کو ایک بدیہی امر سمجھتا ہے) لیکن امر خلقت ، عالم کی تدبیر وغیرہ میں خدا کے شریک نہ ہونے اور خدا کے تنہا پروردگار عالم ہونے کو بیان کرتے ہوئے بارہا انسجام اور موجودات عالم کے حیرت انگیز نظم کی یاد آوری کرائی ہے اور لوگوں کو اس پر غور و فکر کی دعوت دی ہے نیز کائنات کے ہر موجود کوخدا کے وجود کی ایک نشانی قراردیاہے۔اس سلسلے میں قرآن کی بعض آیات مندرجہ ذیل ہیں:
إنّ فی خلق السمٰوات و الأرض و اختلاف اللیل و النہار لآیات لأولی الالباب

بے شک زمین و آسمان کی خلقت ،لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبان عقل کے لئے قدرت خد اکی نشانیاں ھیں۔(۱)

وفی خلقکم و مایبثّ من دآبة آیات لقوم یوقنون

اور خود تمھاری خلقت میں بھی اور جن جانوروں کو وہ پھیلاتا رھتا ھے ان ،میں بھی صاحبان یقین کے لئے بھت سی نشانیاں ھیں ۔ (۲)

إنّ فی خلق السمٰوات و الأرض و اختلاف اللیل و النھار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما أنزل اللّٰہ من السماء من ماءٍ فأحیا بہ الأرض بعد موتھا و بثّ فیھا من کلّ دابّة و تصریف الریاح و السحاب المسخّر بین السماء و الأرض لآیات لقوم یعقلون۔

بے شک زمین و آسمان کی خلقت ،لیل و نہار کی آمد و رفت اوران کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کے لئے دریاؤں میں چلتی ھیں اور اس پانی میں جسے خدا نے آسمان سے نازل کرکے اس کے ذریعے مردہ زمینوں کو زندہ کیاھے اور اس میں طرح طرح کے چوپائے پھیلا دئے ھیں اور ھواؤں کے چلانے میں نیز آسمان و زمین کے در میان مسخر کئے جانے والے بادل میں صاحبان عقل کے لئے اللہ کی نشانیاں پائی جاتی ھیں ۔(۳)

وفی الار ض آیات للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے بھت سی نشانیاں پائی جاتی ھیں اور خود تمھارے اندر بھی ۔کیا تم نھیں دیکہ رھے ھو۔(۴)

حوالہ جات:

۱۔آل عمران :۱۹۰ ،

۲۔جاثیہ:۴

۳۔بقرہ:١٦۴

۴۔ذاریات۔۲۰،۲۱

صفات خدا

صفات ذاتی وصفات فعلی

صفات خدا سے متعلق مختلف تقسیمات بیان کی گئیں ھیں جن میں سے اھم ترین صفات ذاتی (یعنی توحید ذات) اور صفات فعلی (توحید فعلی) ھیں۔

صفات ذاتی

صفات ذاتی سے مراد یہ ھے کہ خدا کی ذات کے ماوراء کسی شےٴ کا تصور کئے بغیران صفات کو خدا سے متصف کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں، ان صفات کو خدا سے متصف یا مرتبط کرنے کے لئے صرف خدا کی ذات ھی کافی

ھے یعنی کسی خارجی امر کو مدنظر رکھنے یا ذات خدا کا ان سے تقابل کرنے کی کوئی ضرورت نھیں ھے۔ حیات وقدرت جیسی صفات اس زمرے میں آتی ھیں۔ اگر اس کائنات اور عالم ھستی میں ذات خدا کے ماسوا کوئی بھی موجود نہ ھو یعنی فقط اور فقط خدا تنھا ھو تو بھی خدا کو حی اور قادر کھا جاسکتا ھے۔

صفات فعلی صفات ذاتی کے بالمقابل،

صفات فعلی ھیں کہ جب تک خدا کی ذات سے خارج کسی امر یا شیٴ کو مدنظر نہ رکھا جائے ، ان صفات کو خدا کی ذات کے ساتھ نھیں جوڑا جاسکتا۔ لھٰذا صفات فعلی وہ صفات ھیں کہ جن کے اتصاف کے لئے ذات خدا کے علاوہ کوئی شیٴ ھو تاکہ اس کی ذات سے اس شیٴ کا رابطہ قائم کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھی موجود کائنات میں وجود نہ رکھتا ھو تو خدا کو خالق نھیں کھا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کسی بھی مخلوق پر تکالیف واحکام الٰھی کی انجام دھی واجب نہ ھو تو خدا کوشارع نیز اگر کوئی بھی بندہ معصیت ونافرمانی خدا انجام نہ دے تو خدا کو غفور بھی نھیں کھا جاسکتا۔
یھیں سے یہ بات بھی واضح ھو جاتی ھے کہ خالق، شارع اور غفور جیسی صفات، صفات فعلی میں شمار کی جاتی ھیں۔ صفات فعلی وذاتی میں اھم ترین امتیاز وفرق مندرجہ ذیل ھیں:

(۱) صفات فعلی وہ صفات ھیں جو ذات سے صادر ھونے والے فعل کو مدنظر رکھتے ھوئے اس کے ساتھ تقابل کے ذریعہ ذات سے متصف ھوتی ھیں یعنی یہ صفات فعل خدا سے انتزاع اور اخذ کی جاتی ھیں جب کہ صفات ذاتی فقط اور فقط دائرہٴ ذات کے ذریعہ ھی اخذ کی جاسکتی ھیں۔

(۲) صفات فعلی قابل نفی و اثبات ھیں ،اس معنی میں کہ بعض شرائط میں ان کی نفی کی جاسکتی ھے اور بعض میں اثبات۔ دوسرے الفاظ میں ،ان میں سے ذات خدا سے ھر صفت کی نفی یا اثبات ممکن ھے مثلاً خدا زمین کو خلق کرنے سے قبل "خالق زمین" نھیں تھا لیکن خلقت زمین کے بعد کھا جاسکتا ھے کہ "خدا خالق زمین ھے۔"
اسی طرح بعثت رسول اکرم سے پھلے خدا قرآن کا نازل کرنے والا نھیں تھا لیکن بعثت کے بعد "منزِّل قرآن" ھوگیا۔ اس کے برخلاف ، صفات ذاتی ھمیشہ اور تمام شرائط و اوقات میں ذات اقدس خدا سے پیوستہ اور آمیختہ ھیں یعنی کسی بھی صورت میں خدا کی ذات سے ان کو خارج نھیں کیا جاسکتا نیز خدا از ازل تا ابد ان صفات کا حامل و و اجدرھے گا۔

صفات ثبوتی وصفات سلبی

صفات ثبوتی

صفات ثبوتی وہ صفات ھیں جو ذات خدا کے کمالات کو بیان کرتی ھیں۔ قابل غور ھے کہ خدا کی صفات ثبوتی

میں ذرہ برابر نقص وکمی کا شائبہ نہیں پایا جاسکتا اور اگر کوئی ایسا مفہوم پیدا بھی ہوگیا جو کمال پردلالت کرنے کے باوجود کسی طرح کا نقص بھی رکھتا ہو تو اس کو خدا کی صفات ثبوتی کا جز قرار نہیں دیا جاسکتا مثلاً صفت "شجاعت"کہ جس کے معنی کسی ایسی شئ سے روبرو ہوتے وقت خوف نہ کھانے اور نہ ڈرنے کے ہیں جس سے کسی طرح کے نقصان یاخطرے کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ ایک جہت سے یہ صفت کمال ہے کیونکہ موجود شجاع، موجود غیر شجاع سے افضل اورکامل تر ہے۔ لیکن صفت شجاعت، اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شخص شجاع کو کسی نہ کسی طرح کا نقصان پھونچ سکتا ہے اور کائنات میں ایسی کوئی شۓ نہیں ہے جو خدا کو نقصان پھونچا سکے لہٰذا خدا کو "شجاع" نہیں کہا جاسکتا۔ اس طرح کے موارد میں خدا سے یہ دونوں صفتیں، شجاعت اور بزدلی سلب ہوجاتی ہیں۔

المختصر یہ کہ صفات ثبوتی وہ صفات ہیں جوایسے کمال پر دلالت کرتی ہیں جس میں نقص کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

صفات سلبی

یہ وہ صفات ہیں جوذات خدا سے کسی بھی طرح کے نقص کی نفی کرتی ہیں جیسے جسمانی نا ہونا، عاجز نہ ہونا، بے مکانی وبے زمانی ہونا۔

صفات سلبی، دیگر موجودات سے خدا کی غیریت کوبیان کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کی ذات کے اِن نقائص سے مبرہ ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ لیکن صفات ثبوتی، خدا کے ان کمالات پر دلالت کرتی ہیں جن کا خدا حامل و واجد ہے۔

تھوڑی توجہ دینے پر واضح ہوجاتا ہے کہ صفات سلبی کی بازگشت بھی صفات ثبوتی کی طرف ہے کیونکہ جو کچھ صفات سلبی کے ذریعے خدا سے نفی یا سلب ہوتا ہے ، نقص ہے اور نقص خود بذاتہ امرعدمی وسلبی ہے اور سلبِ سلب ، ایجاب واثبات ہوتاہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "خدا عاجز نہیں ہے" تو درحقیقت ہم یہ کہتے ہیں کہ " خدا فاقد قدرت نہیں ہے" اور " عاجز نہ ہونا " مساوی ہے "قادر ہونے" کے۔

صفات ثبوتی کو صفات جمالیہ اور صفات سلبی کو صفات جلالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

علم

خدا ہر شئے سے آگاہ ہے اور کوئی بھی چیز اس کے علم سے ماوراء اور خارج نہیں ہے۔ چھوٹا یا بڑا، اہم یا غیر اہم جو کچھ ماضی میں اب تک گذر چکا ہے یا آئندہ آنے والا ہے، سب کچھ خدا کے علم میں ہے ۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خدا جس نے ساری کائنات کو خلق کیا ہے، وہ کائنات جس کا ذرہ ذرہ اپنی ہستی میں وجود خدا کا محتاج ہے، اپنی مخلوق سے بے خبرہو؟

قرآنی مثالیں

عقلی دلائل سے ھٹ کر قرآن کریم کی نہ جانے کتنی آیتیں ھیں جو علم خدا کے لامتناھی ھونے پر دلالت کرتی ھیں:

(واعلموا ان اللّٰہ بکل شیٔ علیم)

اور جان لو کہ خدا کو ھر چیز کا علم ھے۔(۱)

(الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر)

کیا پیدا کرنے والا نہیں جانتا ھے جب کہ وہ لطیف بھی اور خبیر بھی ھے۔(۲)

(وھو اللّٰہ فی السمٰوات وفی الارض یعلم سرکم وجھکم ویعلم ماتکسبون) وہ آسمانوں اور زمین ھر جگہ کا خدا ھے وہ تمھارے باطن اور ظاھر اور جو تم کاروبار کرتے ھو، سب کو جانتا ھے۔(۳)

(ویعلم مافی السمٰوات ومافی الارض)

اور وہ زمین و آسمان کی ھر چیز کوجانتا ھے۔(۴)

(وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم مافی البر والبحر وما تسقط من ورقة الایعلمھا ولا حبة فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین)

اور اس کے پاس غیب کے خزانے ھیں جنھیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ھے اور وہ خشک و تر سب کا جاننے والا ھے۔ کوئی پتہ بھی گرتا ھے تو اسے اس کا علم ھے۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک و تر ایسا نہیں ھے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ھو۔(۵)

حوالہ جات:

۱۔بقرہ: ۲۳۱

۲۔ملک:۱۴

۳۔ انعام:۳

۴۔ آل عمران: ۲۹

۵۔ انعام:۵۹

حکمت وعدل خدا

حکمت

خدا حکیم ھے اوراس کے تمام افعال وامور حکیمانہ ھیں۔ حکمت کے دو معنی ھیں اور دونوں ھی معنی صفات ثبوتی خدا کے زمرے میں آتے ھیں:

(۱) فاعل کے فعل میاستحکام وپائداری، اس طرح کہ فعل اپنے نہایت کمال کے درجے پرفائز ھو اور اس میں کسی بھی طرح کا نقص یا عیب نہ پایا جاتا ھو۔

(۲) فاعل ایسا ھو کہ اس کی ذات سے کسی بھی طرح کا کوئی غلط یا غیر پسندیدہ (قبیح) فعل سرزد نہ ھو اور اس کا ھر فعل شایستہ اورعمدہ وپسندیدہ (حسن) ھو۔

فخر رازی اس سلسلہ میں فرماتے ھیں:

”فی الحکیم وجوہ: الاول: انه فعیل بمعنی مفعل، کا ٔلیم بمعنی مؤلم ومعنی الاحکام فی حق اللّٰہ تعالیٰ فی خلق الاشیاء ھو اتقان التدبیر فیھا وحسن التقدیر لھا الثانی انه عبارة عن کونه مقدساً عن فعل مالا ینبغی“ ۔ (۱)

حکیم کی اصل اِحکام ھے اور اس عبارت میں اِحکام کے دو معنی ذکر کئے گئے ھیں ایک اتفاق تدبیر اور حسن تقدیر اور دوسرے نا مناسب فعل کا انجام نہ دینا۔

حکمت، پھلے معنی میں خدا کیونکہ تمام کمالات کا حامل ھے اور اس کا علم وقدرت بے حد ولامتناھی ھے، وہ ھر شئے کا علم رکھتا ھے اور ھر شئے پر قدرت رکھتا ھے، کسی بھی شئے یا ذات کا محتاج نہیں ھے لہٰذا قطعاً اس کا ھر قعل بھی کامل ترین، مستحکم ترین اور پایدار ترین فعل کی صورت اختیار کرلیتا ھے۔ پس وہ ”احسن الخالقین“ ھے۔

(اتدعون بعلاً وتذرون احسن الخالقین ۔اللّٰہ ربکم ورب آبائکم الاولین) یعنی کیا تم لوگ بعل کو آواز دیتے ھو اور بھترین خلق کرنے کو چھوڑ دیتے ھو۔ جب کہ وہ اللّٰہ تمھارا اور تمھارے باپ داداکا پالنے والا ھے۔ (۲)

(خالق، صفت فعل ھے لہٰذا خدا اس صورت میں احسن الخالقین ھے کہ جب اس کا فعل بھی احسن الافعال ھو اور اسی لئے یہ آیت خلقت خدا کے بھترین خلقت ھونے پر دلالت کرتی ھے۔)

حکمت، دوسرے معنی میں دوسرے معنی کی بنیاد اس حقیقت کے قبول کرنے پر موقوف ھے کہ بیان شارع (خدا) سے قطع نظر، بعض افعال حَسَن اور بعض قبیح (غیر پسندیدہ) ھوتے ھیں اور یہ کہ عقل بھت سے موارد اور مواقع پر یہ فیصلہ کرلیتی ھے کہ کونسا فعل حسن اور کونسا قبیح (غیر پسندیدہ) ھے مثلاً صداقت، امانت داری، کسی محتاج کی مدد کرنا وغیرہ عقل کے نزدیک پسندیدہ اور ان کے مقابلے میں کذب یا دروغ گوئی، امانت میں خیانت، ظلم و ستم وغیرہ غیر پسندیدہ اور قبیح ھیں۔

اس اصل اور کلیہ کوحسن و قبح عقلی کھا جاتاھے۔

متکلمین اھل سنت کی اکثرےت کہ جس کو اشاعرہ کھا جاتا ھے ،اس مذکورہ اصل و کلیہ کی مخالف و منکر ھے۔جس کی وجہ سے ھے لوگ عدل کو صفات خدا سے خارج کردےتے ھیں ۔ ان کے مقابلہ میں اھل سنت ھی کا ایک دوسرا گروہ کہ جس کومعتزلہ کھا جاتا ھے اور عام طور پر تمام شےعہ متکلمین حسن و قبح عقلی کے قائل ھیں۔ان کا نظرےہ و عقےدہ ھے کہ بشمول عدل خدا فقط فعل حسن کو ھی انجام دےتا ھے اور بشمول ظلم فعل قبیح کا مرتکب نہیں ھوتا۔

اسی وجہ کے متکلمین کا ھے گروہ ”عدلیہ“ کھلاتا ھے۔

اس کلئے کے قائل ھونے کے بعد ھم کھہ سکتے ھیں: خدا وندعالم، غنی مطلق ھے اور کسی غیر کا ذرہ برابر محتاج نہیں ھے نیز عالم وقادر بھی مطلق ھے۔ا فعال حسن وعمدہ اور پسندیدہ کا علم رکھتا ھے اور ان کی انجام دھی پرقادر ھے نیز کارھائے قبیح کا بھی علم رکھتا ھے اور ترک کرنے پر بھی قادر ھے۔ مذکورہ صفت کا حامل موجود یاذات کسی بھی صورت میں فعل قبیح انجام نہیں دے سکتی اور اسی طرح کسی بھی صورت میں فعل حسن کو ترک بھی نہیں کرسکتی۔

عدل

خداوند عالم عادل ھے اور ھرگز ظلم نھیں کرتا ھے ۔لہٰذا عدل اس کی صفات ثبوتی اور ظلم اس کی صفات سلبی میں سے ھے۔

عدل سے مراد، ھر شئی کو اس کے مقام پر قرار دینا ھوتاھے: وضع کل شیٴ فی موضعہ ، جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ھیں:

”العدل یضع الامور مواضعھا“

عدالت، امور کو ان کے مقام پر قرار دیتی ھے۔ (۳)

البتہ کبھی کبھی یہ بھی کھا جاتا ھے کہ عدل یعنی ھر صاحب حق کواس کا حق دے دیا جائے” اعطاء کل ذی حق حقاً“ یہ معنی مذکورہ پھلے والے معنی سے اخص او رمحدود تر اور اس کا مصداق ھے یعنی صاحب حق کو اس کا حق دینا ،کسی شئے کو اس کے صحیح مقام پر قرار دئے جانے والے موارد میں سے ایک مورد ھے۔

عقلی حکم کی بنیاد پرعدل ایک فعل حسن اور پسندیدہ اور ظلم فعل قبیح شمار کیا جاتا ھے۔ خدا چونکہ حکیم ھے اور ھراچھے فعل کو انجام دیتا ھے نیزھر برے فعل سے اجتناب کرتا ھے لہٰذا وہ عادل ھے اور ظلم نھیں کرتا۔

مذکورہ بیان سے واضح ھوجاتا ھے کہ عدل الٰھی ، جنبہٴ حکمت الٰھی سے مربوط ھے۔

قرآنی مثالیں

قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں خدا پر اسم حکیم کا اطلاق ھوا ھے:

(فاعلموا ان اللّٰہ عزیز حکیم)

یاد رکھو کہ خدا سب پر غالب ھے اور صاحب حکمت ھے۔(۴)

قرآن فرماتاھے:

خداوند عالم ھر شئی کو اس کے بھترین مرتبے پر خلق فرماتاھے:

(الذی احسن کل شیٴ خلقہ)

اس نے ھر چیز کو حسن کے ساتھ بنایا ھے۔(۵)

اس کی خلقت میں بے ترتیبی ، فرق یا شگاف نھیں پایا جاتا:

(ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تری من فطور)

تم رحمن کی خلقت میں کسی طرح کا فرق نہ دیکھو گے۔ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھو کھیں کوئی شگاف نظر آتا ھے۔(٦)

خلقت خدا، ھرگز عبث ،بیکار اور باطل نھیں ھے:

(اٴفحسبتم انما خلقناکم عبثاً)

کیا تمھارا خیال یہ تھا کہ ھم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ھے؟(٧)

(وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلاً)

اورھم نے آسمان وزمین اوراس کے درمیان کی مخلوقات کوبیکار پیدانھیں کیاھے۔(٨)

خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ھے بلکہ یہ خوداحسان فراموش انسان ھے جو اپنے آپ پر ظلم کرتاھے:

(وما ظلمنا ھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون)

اور یہ ھم نے ظلم نہیں کیا ھے بلکہ وہ خود اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے۔(۹)

خدا کی شان یہ نہیں ھے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کو روا رکھے۔:

(وان اللّٰہ لیس بظلام للعبید)

اور خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔(۱۰)

خدا نہ فقط انسان بلکہ اس کائنات کے کسی بھی موجود پر ظلم نہیں کرتا:

(وما اللّٰہ یریدظلماً للعالمین)

اوراللّٰہ عالمین کے بارے میں ھرگز ظلم نہیں چاھتا۔ (۱۱)

حوالہ جات:

۱۔ شرح الاسماء الحسنیٰ، منشورات مکتبة الکلیة الازھریة ، ص/۲۷۹؛الالھیات علی الکتاب والسنة والعقل ج،۱،ص ۲۲۵

۲۔ صافات: ۱۲۵، ۱۲۶۔

۱۔۳۔نھج البلاغہ:کلمات قصار۔۴۳۷

۴۔بقرہ:۲۰۹؛نیز بقرہ:۲۲۸ ،آل عمران :۱۸، انعام:۱۸

۵۔سجدہ:۷

۶۔ملک:۳

۷۔مومنون:۱۱۵

۸۔ص:۲۷

۹۔نحل:۱۱۸، نیزھود:۱۰۱، زخرف::۷٦

۱۰۔آل عمران:۱۸۲، نیز انفال:۵۱، حج:۱۰، فصلت:۴۶، ق:۲۹

۱۱۔آل عمران:۱۰۸

توحید

اصطلاحاً توحید کے معنی خدا اور مبداٴ ھستی کو ایک ماننے کے ھیں۔ دین اسلام ، دین توحیدیعنی خدائے وحدہ لاشریک پراعتقاد اور اس عقیدے کا نام ھے کہ اس کی ذات کے علاوہ کوئی ذات قابل پرستش وعبادت نہیں ھے۔ اگراسلام اور فلسفہٴ اسلام کوسمیٹا جائے تو ایک جملے میں یوں کھا جاسکتا ھے: لا الٰہ الا اللّٰہ یہ جملہ قرآن مجید کا نچوڑ اور تمام اسلامی تعلیمات کا لب لباب ھے۔ یھی وجہ ھے کہ قرآن کریم نے ساٹھ مرتبہ سے بھی زیادہ اس آسمانی نعرے اور شعار کو مختلف انداز وعبارتوں میںاستعمال فرمایا ھے:

”لاالٰہ الااللّٰہ “ اللّٰہ کے سوا کوئی خدا نہیں ھے۔ (۱)

”لاالٰہ الاھو“ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے۔ (۲)

”لاالٰہ الا انت“ تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے۔(۳)

"لا الٰه الا انا" میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے۔(۴)
"ما من الٰه الا اللّٰہ" خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ھے۔(۵)
"ما کان معه من الٰه" اس کے ساتھ کوئی خدا نہیں ھے۔ (٦)
" ان الٰھکم لواحد" بیشک تمھارا خدا ایک ھے۔ (٧)
"ھوا اللّٰہ احد" وہ اللّٰہ ایک ھے۔ (٨)
اس شعار کی اھمیت اسقدر زیادہ ھے کہ مندرجہ ذیل مختصرسی آیت میں دوبار استعمال ھوا ھے:
(شھد اللّٰہ انه لا الٰه الا ھو والملائکة واولو العلم قائماً بالقسط لا الٰه الا ھو العزیز الحکیم) اللّٰہ خود گواہ ھے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے۔ ملائکہ اور صاحبان علم گواہ ھیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ھے۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے اور وہ صاحب عزت وحکمت ھے۔(۹)
البتہ توحید کی طرف دعوت فقط اسلام سے مخصوص نہیں رھی ھے بلکہ تمام آسمانی مذاھب ، دین توحید اور تمام انبیائے الٰھی، منادی توحید رھے ھیں۔
(وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا الٰه الا انا فاعبدون)
اور ھم نے آپ سے پھلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی طرف یھی وحی کرتے رھے کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ھے لھٰذا سب لوگ میری ھی عبادت کرو۔ (١٠)

مراتب توحید

توحید کے کچھ مراتب ودرجات پائے جاتے ھیں اس کے بالمقابل شرک کے بھی مراتب و درجات ھیں۔
یہ مراتب مندرجہ ذیل ھیں:

(١) توحید ذاتی

توحید ذاتی یعنی یہ اعتقاد کہ مبداٴ عالم ِھستی یعنی خداکی ذات اور اسکا موجود فقط ایک ھے۔ صرف وھی ایسا موجود ھے کہ دوسرے تمام موجودات کی خلقت بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی کی ذات سے وابستہ ھے جب کہ وہ ایسی ذات ھے کہ کسی نے اس کو خلق نہیں کیاھے۔ اس حقےقت کو فلسفہ میں "علیت اولیہ "کے عنوان سے جانا جاتا ھے۔
دوسرے الفاظ میں توحید ذاتی یعنی یہ اعتقاد کہ تمام موجودات فقط ایک خالق کی مخلوقات ھیں اور یہ کہ جھاں ھستی وکائنات اپنی تمام وسعت ،عظمت، کثرت و تعدّد کے باوجود فقط و فقط ایک ھی خالق اور مبداٴ رکھتی ھے۔
(قل اللّٰہ خالق کل شیٴ)
کھہ دیجئے کہ اللّٰہ ھر چیز کا خلق کرنے والا ھے۔ (١١)
البتہ اس سے مراد یہ نہیں ھے کہ اس مبداٴ ھستی نے ھر شئے کو براہ راست اور بغیر کسی واسطے کے خلق کیا ھے بلکہ ممکن ھے کہ ایک موجود ، ایک یا چند واسطوں کے ذریعہ مخلوق خدا ھو مثلاً خدا ایک موجود "A" کو

خلق کرے اور پھر "A" کے ذریعہ ، "B"کو خلق کرے ، پھر"B" کے ذریعہ ، "C" کو۔ اس فرضیے میموجود "A" خدا کی براہ راست مخلوق ھے جب کہ "B" ایک واسطے اور "C" دو واسطوں کے ساتھ مخلوق خدا ھے۔ اس طرح کے فرض کو قبول کرنا توحید ذاتی سے کسی بھی طرح منافی نہیں ھے۔

(۲) توحید صفاتی

توحید صفاتی یعنی یہ اعتقاد و ایمان کہ صفات ذاتی خدا مثلاً علم، قدرت، حیات وغیرہ عین ذات خدا ھیں۔ مفھوم کے اعتبار سے خدا کی صفات ذاتی متعدد اورمتکثر ھیں لیکن مصداق کے لحاظ سے عین یک دیگر،یہ تمام صفات عین ذات خدا اور ایک سے بیشتر یک شئے نہیں ھیں۔
حقیقت یہ ھے کہ توحید صفاتی مندرجہ ذیل دو اعتقاد وںکا نام ھے:
۱) علم و قدرت جیسی صفات ذات خدا پر زائد وعارض نہیں ھیں۔
۲) یہ صفات، ذات خدا میں ترکیب وکثرت کی موجب نہیں ھوتی ھیں۔
ذات وصفات کی عینیت مذکورہ دونوں نکات کوبیان کرتی ھے۔

شھید مرتضی مطھری کے مطابق توحید صفاتی ،ذات خداسے ھرطرح کی ترکیب کی نفی کے اعتقاد کوبھی اپنے اندر شامل کرتی ھے ۔ (۱۲) لیکن استاد مصباح یزدی معتقد ھیں کہ متکلمین کی اصطلاح میں توحید صفاتی فقط نفی صفات زائد بر ذات کو بیان کرتی ھے۔(معارف قرآن ص/٦٩)
آپ کے بقول اصطلاح فلاسفہ اور متکلمین میں توحید صفاتی سے مراد یہ ھے کہ ھم جن صفات کو ذات خدا سے منسوب کرتے ھیں وہ ذات خدا کے علاوہ اور کچھ نہیں ھیں۔(۱۳)
استاد جعفر سبحانی توحید ذاتی کے لئے دو معنی بیان فرماتے ھیں: الف) یہ کہ خدا کا کوئی ثانی نہیں ھے۔ ب) یہ کہ خدا، جزء نہیں رکھتا نیزفرماتے ھیں: متکلمین نے ان دونوں معانی کی ایک دوسرے سے تفکیک کی خاطر پھلے والے معنی کو توحید ذاتی واحدی اور دوسرے معنی کو توحید ذاتی احدی کھاھے۔ (۱۴)
ذات خدا بسیط ھے اور اس میں کسی بھی طرح کی ترکیب کاداخلہ ممکن نہیں نیزاس کی ذات کے لیے کوئی جز بھی فرض نہیں کیاجا سکتا۔
بعض مفسرین کا نظریہ وعقیدہ ھے کہ عنوان ”واحد“ توحید ذاتی کو بیان کرنے یعنی ذات خدا سے کسی ثانی کی نفی کرنے والا اور عنوان ”احد“ توحید صفاتی کو بیان کرنے او رذات مقدس خدا سے ھر ممکنہ ترکیب کی نفی کرنے والا ھے۔

توحید افعالی

توحید افعالی یعنی یہ اعتقاد کہ تمام موجودات کا ئنات ،خدا سے وابستہ ھیں اور استقلال ذاتی نہیں رکھتے ھیں۔ اسی طرح ان موجودات کے افعال وامور اور ان افعال وامور کا اثر بھی ذات وقدرت خدا سے وابستہ ھے

یعنی یهموجودات اپنے فعل کے صادر کرنے میں بھی اپنی ذات کی طرح خود مختار نهیں هیں۔
دوسرے الفاظ میں، توحید ذاتی یعنی خدا اپنی ذات میں کوئی شریک نهیں رکھتا هے اور توحید افعالی یعنی فاعلیت وتاثیر فعل میں وہ تنها اور واحد هے۔ یهاں بھی اس کا کوئی شریک نهیں هے۔ البتہ اس سے مراد یہ نهیں هے کہ خدا کی کوئی بھی مخلوق فعل و اثر فعل کی حامل نهیں هے بلکه مراد یہ هے کہ ان مخلوقات کے افعال اوراثر افعال خداکی قدرت کے زیر سایہ صادر هوتے هیں۔
شعار دینی ”لا حول ولاقوة الا بالله العلی العظیم“ مکمل اور دقیق طور پر توحید افعالی کا غماز هے۔

توحید افعالی کے عملی آثار

توحید افعالی اور یہ اعتقاد کہ تنها خدا ، خودمختارانہ طور پر امور عالم هستی کو انجام دیتا هے اور دیگر موجودات یا مخلوقات سے صادر هونے والا هر فعل ذات خدا سے استمداد اور وابستگی کے ذریعے صادر هوتاهے، مندرجہ ذیل نتائج کاموجب هوتا هے:
اولاً: انسان کسی بھی شخص یا شئی کو خدا کے مقابل قابل پرستش اور قابل عبادت وستائش نہ گردانے اور خدا کے علاوہ کسی کے آستانے پر سجدہ ریزی نہ کرے:
(ان الحکم الا لله امر الا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم)
حکم کرنے کا حق صرف خدا کو هے اور اسی نے حکم دیا هے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے کہ یهی مستحکم اور سیدهادین هے۔ (۱۵)
ثانیاً: انسان فقط خدا پر اعتماد واعتبار کرے اور تمام امور میں اسی پر توکل کرے، فقط اسی کی ذات سے طلب امداد کرے، اس کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے اور اس کے علاوہ کسی سے کوئی امید نہ رکھے حتی جب عام حالات واسباب اس کی خواهش وتمنا کے برخلاف هوں، مایوس نہ هوکیونکه اگرخدا ارادہ کرلے تو اچانک تمام حالات یکبارگی تبدیل هوسکتے هیں اور بندے کے لئے خدا کی طرف سے ساری راهیں کھل سکتی هیں۔
(ومن یتق الله یجعل له مخرجاً ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لکل شیٔ قدراً)
اور جو بھی اللہ سے ڈرتا هے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کردیتا هے اور اسے ایسی جگه سے رزق دیتا هے جس کا اسے خیال بھی نهیں هوتا هے اور جو خدا پر بھروسه کرے گا خدا اس کے لئے کافی هے بیشک خداپنے امرکو پهونچانے والا هے۔ اس نے هر شئی کے لئے ایک مقدار معین کردی هے۔ (١٦)

حوالہ جات

۱۔صافات:۳۵
۲۔بقرہ:١٦٣
۳۔انبیاء: ۸۷
۴۔نحل:۲

۵ـآل عمران: ۶۲
۶ـمومنون:۹
۷ـصافات/۴
۸ـاخلاص: ۱
۹ـآل عمران :۱۸
۱۰ـانبیاء: ۲۵
۱۱ـرعد:۱۶
۱۲ـمجموعه آثار:ج،۲ص۱۰۱
۱۳ـمعارف قرآن:ص۷۹
۱۴ـالا لهیات علی هدیٰ الکتاب والسنة والعقل، ج/۱،ص/۳۵۵
۱۵ـیوسف:۴۰
۱۶ـطلاق/۳،۲